عدم
کی بہترین
غزلیں
انتخاب
نیر اقبال
حمیدی

انتخاب

نیّر اقبال

چودھری اکیڈمی
الفضل مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

1929ء سے فروغِ ادب کیلئے کوشاں

چودھری اکیڈمی لاہور

حُسنِ تَرتیب

ابتدائیہ

بہت سال گزرے، میں دُور دراز کی ایک اقامتی درسگاہ میں نویں یا دسویں جماعت کا طالب علم تھا۔ دسمبر کے دوسرے ہفتے کے اختتام پر کرسمس کی چھٹیاں ہوئیں تو دیگر دوستوں کے ہمراہ ایک ٹرین پر گھر جانے کا پروگرام بنا۔ سفر کی شام اتنی سرد تھی کہ بدن منجمد ہو رہے تھے۔ ٹرین چلتے چلتے ایک چھوٹے سے سٹیشن پر رک گئی۔ اس اچانک ٹھہراؤ کی وجہ یاد نہیں۔ کوئی تکنیکی خرابی تھی یا گاڑیوں کی کراسنگ، بہر حال میں ڈبے سے نیچے اتر کر ٹہلنے لگا۔ پلیٹ فارم پر زردی مائل بلبوں کی دھندلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ مشرقی کونے میں ایک چھوٹا سا بک سٹال تھا۔ کتب و رسائل کے ساتھ فطری لگاؤ کے تحت میں اس طرف بڑھا۔ کاؤنٹر پر اور شیلفوں میں بہت سے ادباء و شعراء کی کتابیں Display کی گئی تھیں۔ اکثر سے خاصی شناسائی تھی۔ اسی دوران عبدالحمید عدمؔ کی "آبِ رواں" پیپر بک پر چھپی ہوئی نظر آئی۔ اٹھا کر ورق گردانی شروع کی تو ابتدا میں ہی ایک شعر نے جادو سا کر دیا۔ وہ برفیلی شام مزید سحر زدہ ہو گئی۔ مجھے وہ شعر اب تک یاد ہے ؎

یہ ناز ہے کہ تری آرزو میں جیتے ہیں
یہ فخر ہے کہ تری ذات سے تعلق ہے

کتاب خرید کر ایک بنچ پر بیٹھ گیا اور پڑھنے لگا۔ گرد و پیش سے تعلق جیسے ختم ہو گیا۔ سلاست اور روانی کا وہ عالم تھا کہ جیسے کوئی جوئبار بغیر کسی رکاوٹ اور آہٹ کے تیزی سے بہے جا رہی ہو۔ آہنگ اگر کبھی بلند ہوتا بھی تھا تو لہجے کے ترنم اور موسیقیت میں کمی نہ آتی تھی۔ کیفیت میں ایسی بے خودی اور ایسا نشہ تھا جیسے سرخ رنگ کی شراب شیشے کے صاف ستھرے گلاسوں میں انڈیلی جا رہی ہو۔ یہ عدم سے میرا پہلا تعارف تھا اور ایک Life Long تعلق کی

ابتداء- جوں جوں دن گزرتے گئے یہ تعلق مزید گہرا ہوتا گیا-

برس ہا برس قبل کی اس سرمازدہ شام سے آج تک عدمؔ کے کلام کو بارہا پڑھا ہے- جو تاثر پہلے دن پیدا ہوا تھا اب بھی قائم ہے- عدمؔ کے مضامین زیادہ تر وہی ہیں جو اردو شاعری کے ابتدائی ایام سے چلے آرہے ہیں اور جن پر فارسی شعراء کا گہرا اثر ہے- مضامین کے علاوہ عدمؔ کے ہاں جو الفاظ تواتر سے استعمال ہوئے ہیں عام طور پر وہ بھی روایتی ہیں جیسے شراب' مئے خانہ' ساقی' محبوب' گُل وبلبل' صیاد' قفس وغیرہ- اصل چیز عدمؔ کی سادگی اور روانی ہے- بغیر کسی ٹھہراؤ' مشکل یا الجھن کے اس کی شاعری یوں آگے بڑھتی ہے کہ پڑھنے والا حیران سا ہوکر رہ جاتا ہے- پھر اس کے اشعار میں ایک عجیب طرح کی بے ساختگی کا عنصر بہت نمایاں ہے- شاید انگریزی زبان کا لفظ "Abruptness" اس کیفیت کی وضاحت زیادہ بہتر طور پر کر سکے- بے ساختگی سے آگے بڑھ کر کبھی کبھار بات گستاخی تک بھی پہنچ جاتی ہے مگر گراں نہیں گزرتی شاعری کے بارے میں میرا عمومی نظریہ ہے کہ یہ بیان کرنے یا سمجھنے کی چیز نہیں بلکہ محسوس کرنے کی چیز ہے- خصوصی طور پر عدمؔ کا شعر اتنا نازک' خوبصورت اور طرح دار ہے کہ اس پر تبصرہ آرائی سے اس کے اصل خدوخال مجروح ہونے کا اندیشہ ہے- آخر نشے کو' مدہوشی کو' بے خودی کو الفاظ میں کیسے پینٹ کیا جا سکتا ہے-

اب سے چند ماہ قبل میں اپنے دفتر میں کام کر رہا تھا کہ طارق چوہدری مالک ادارہ "چودھری اکیڈمی" اندر داخل ہوئے- میں نے دل ہی دل میں ان کی خوش لباسی کی تعریف کی- اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں گفتگو کرتے ہوئے جب انھوں نے کہا کہ آپ سے ایک کام ہے تو میں ذرا نہ چونکا- سوچا کہ کسی تھانے میں ٹیلیفون کروانا ہوگا یا کچہری میں کسی کی ضمانت کا مسئلہ ہوگا- مگر جب انھوں نے کہا کہ عدمؔ کی غزلوں کا انتخاب کرنا ہے تو میں چونک اٹھا میں نے پوچھا کہ کیوں؟ طارق نے جواب دیا کہ اردو کے دیگر تقریباً تمام شعراء کا انتخاب جدید طرز پر شائع ہو چکا ہے- مگر عدمؔ ابھی تک

نظر انداز ہو رہے ہیں- ہمارے ادارے نے ان کا منتخب کلام نئے انداز میں شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے اور انتخاب کی ذِمّہ داری آپ کو سونپی گئی ہے- طارق پبلشر کم ہیں اور دوست زیادہ- لیت ولعل کی گنجائش کہاں تھی؟- چنانچہ کام کا آغاز ہوا- انتخاب کا کام بظاہر بہت آسان اور سادہ دکھائی دیتا ہے لیکن درحقیقت ایسا ہے نہیں-

عدمؔ کے سلسلے میں دو مشکلات خاص طور پر سامنے آئیں- ایک تو یہ کہ ان کا کلام بہت زیادہ ہے- دوسرے یہ کہ وہ ان گنت شکلوں میں بے ترتیبی سے بکھرا ہوا ہے- دراصل پچاس اور ساٹھ کی دہائی میں کئی ایک ناشر حضرات نے ان کے مجموعہ ہائے کلام شائع کئے- ان میں سے کئی ادارے بعد ازاں بند ہو گئے اور ان کی شائع کردہ کتابوں کے دوسرے ایڈیشن نہ چھپ سکے- ایسے مجموعے بڑی کوشش سے سرکاری و ذاتی لائبریریوں سے تلاش کئے گئے- ایک اور مسئلہ Over-lapping کا تھا- یعنی جو مواد ایک کتاب کا حِصّہ تھا وہ بعض اوقات دو تین دوسری کتابوں میں بھی شامل پایا گیا- اس کی چھان پھٹک بھی خاصی محنت طلب تھی- بہر حال بالآخر کام مکمل ہو گیا- یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مندرجہ بالا مسائل کے تذکرے کا مقصد ذاتی یا ادارے کی کوششوں پر روشنی ڈالنا نہیں بلکہ آپ کو یہ اعتماد دلانا ہے کہ آپ واقعی عدمؔ کے کلام کا بہترین حصّہ پڑھ رہے ہیں-

آج جبکہ میں آپ کے سامنے عدمؔ کی بہترین غزلیں پیش کر رہا ہوں تو لگتا ہے کہ جیسے وقت کئی سال پیچھے چلا گیا ہے- دسمبر کا موسم ہے' ماحول یخ بستہ ہے' زردی مائل بلبوں کی دھندلی روشنی پھیلی ہوئی ہے- میں گردوپیش سے بے خبر عدمؔ کا کلام پڑھ رہا ہوں-

نیّر اقبال

11.10.99

○

کل کہیں تجھ سے بھی اچّھا ...... ترا بیمار نہ ہو
اتنے سنگین تغافل کا...... گنہ گار نہ ہو

زندگی میں بھی...... سکوں ڈھونڈتے ہو دیوانو
زندگی کیا ہے...... جو چلتی ہوئی تلوار نہ ہو

آپ کی بات کے...... مفہوم کئی ہوتے ہیں
آپ کی ہاں کہیں...... ہم معنیٔ انکار نہ ہو

رات تو نصف سے زائد ہے...... مگر ڈر یہ ہے
اس گئے وقت بھی...... درباں کہیں بیدار نہ ہو

برہمی میں جو حلاوت ہے...... سجاوٹ میں کہاں
زلف ہی کیا ہے جو...... آشفتہ و خم دار نہ ہو

شمع میں کیا ہے...... جو دیتا ہے پتنگے کو فریب
اس کے پردے میں...... ترا شعلۂ رخسار نہ ہو

خلق حُرک جائے گی ناگاہ...... تماشے کے لئے
مجھ سے اس درجہ خفا...... برسرِ بازار نہ ہو

دل کو لے آتا ہوں بازار سے...... واپس ہر روز
اس طرح کا بھی عدمؔ...... قحطِ خریدار نہ ہو

○

لچکتی گردنوں میں...... ماہِ پیکر!
دلوں کے ہار ڈالے...... آگئے ہیں

قبا سر کی ہے کوئی...... تو یکا یک
امنگوں میں اچھالے...... آگئے ہیں

عدمؔ ان کی بھوؤں سے...... مانگ لو کچھ
ستارے پڑھنے والے...... آگئے ہیں

○

گلوں سے دوستی ہے، شبنم ستانوں میں...... رہتا ہوں
بڑے دلچسپ اور شاداب، رومانوں میں...... رہتا ہوں

تری آنکھوں سے میری دوستی ...... بے حد پرانی ہے
کہ میں شاعر ہوں اور دن رات میخانوں میں رہتا ہوں

اذیّت کی ضرورت ہو تو فرزانوں سے ملتا ہوں
مسرّت کی تمنّا ہو...... تو نادانوں میں رہتا ہوں

کنارے پر نہ کیجے گا...... زیادہ جستجو میری
کہ میں لہروں کا متوالا ہوں...... طوفانوں میں رہتا ہوں

ستارے -جام-بربط-کاکلیں- خوشبو بھرے آنچل
بڑے خوش خلق اور سچے نگہبانوں میں...... رہتا ہوں

مرے وِردیار تھی...... مجھ کو بڑی رغبت سے پڑھتے ہیں
کتابِ عشق ہوں...... پریوں کے جُزدانوں میں رہتا ہوں

غمِ دوراں سے زلفِ یار تک ہے سلطنت میری
بیابانوں میں پھرتا ہوں...... پری خانوں میں رہتا ہوں

جہاں کھپتا ہے سر اس کا...... کھپا لیتا ہے ہر کوئی
وہ شمعوں کی سہیلی ہے...... میں پروانوں میں رہتا ہوں

پتا پوچھے کوئی میرا عدمؔ...... تو اس سے کہہ دینا
میں سچے اور بھولے بھالے انسانوں میں رہتا ہوں

گھنیری زلف والے...... آگئے ہیں
اندھیرے اور اُجالے...... آگئے ہیں

دریچے کھل گئے ہیں...... رحمتوں کے
کہ گردش میں...... پیالے آگئے ہیں

میں سمجھا تھا...... نشے میں غرق ہوں گے
وہ آنچل کو سنبھالے...... آگئے ہیں

پتا تو کر ذرا...... پیرِ مغاں سے
ہمارے ساتھ والے...... آگئے ہیں

جو بھی اٹھتا ہے...... اس کی محفل سے
خستہ و دل فگار...... اٹھتا ہے

دو گھڑی اور...... دل لبھاتا جا
کیوں خفا ہو کے یار...... اٹھتا ہے

سو کے ایسے...... نگار اٹھتا ہے
جیسے ابرِ بہار...... اٹھتا ہے

آج کی رات...... خیر سے گزرے
دردِ دل...... بار بار اٹھتا ہے

ہوش میں ہو...... تو میکدے سے عدمؔ
کب کوئی بادہ خوار...... اٹھتا ہے

○

جاں جس طرف چلی ہے
وہ یار کی گلی ہے

مفہوم کتنا دھندلا
خط کس قدر جلی ہے

کیا کاکلیں کھلی ہیں
کیا دوپہر ڈھلی ہے

بے صوت زمزمہ ہے
خاموش کھلبلی ہے

○

خیرات صرف اتنی ملی ہے حیات سے
پانی کی بُوند جیسے عطا ہو فرات سے

شبنم اسی جنوں میں ازل سے ہے سینہ کوب
خورشید کس مقام پہ ملتا ہے رات سے

ناگاہ عشق وقت سے آگے نکل گیا
اندازہ کر رہی ہے خرد واقعات سے

سُوئے ادب نہ ٹھہرے تو دیں کوئی مشورہ
ہم مطمئن نہیں ہیں تری کائنات سے

ساکت رہیں تو ہم ہی ٹھہرتے ہیں باقصور
بولیں تو بات بڑھتی ہے چھوٹی سی بات سے

آساں پسندیوں سے اجازت طلب کرو
رستہ بھرا ہوا ہے عدمؔ مشکلات سے

○

دوپہر کی آگ بے پایاں ہے اب کردیجئے
گیسوؤں کو کھول کر تخلیقِ شب کر دیجئے

ہے خوشی میں اور غم میں فرق ہی کتنا بڑا
غم کو تھوڑی سی جلا دے کر طرب کر دیجئے

یہ جو پھولوں کی رگوں میں بہہ رہی ہے چاندنی
کیوں نہ اس کو آپ کی تزئینِ لب کردیجئے

کل مبادا حشر میں آنے کی فرصت ہی نہ ہو
آج ہی بہتر ہے تکمیلِ غضب کردیجئے

بڑھ چلا ہے شیخ حدِ آدمیّت سے عدمؔ
اب یہی لازم ہے توہینِ ادب کردیجئے

○

ساحل کی اوٹ میں تھا، نہ طوفاں کے پاس تھا
وہ جشن جو سفینۂ رقصاں کے پاس تھا

کل شب کے واقعے سے نہ زاہد ڈرا مجھے
کل رات میں بھی حضرتِ یزداں کے پاس تھا

جس عہدِ گُل کو بادِ صبا ڈھونڈتی رہی
وہ صرف میرے چاکِ گریباں کے پاس تھا

کیا آبرو نگاہِ زلیخا نے بخش دی
کیا تھا وگرنہ جو مہِ کنعاں کے پاس تھا

خضرو مسیح جس کے تجسّس میں مر گئے
وہ چین تیری زلفِ پریشاں کے پاس تھا

○

بس اس قدر ہے خلاصہ...... مری کہانی کا
کہ بن کے ٹوٹ گیا...... اک حباب پانی کا

ملا ہے ساقی...... تو روشن ہوا ہے یہ مجھ پر
کہ حذف تھا کوئی ٹکڑا...... مری کہانی کا

مجھے بھی چہرے پہ...... رونق دکھائی دیتی ہے
یہ معجزہ ہے...... طبیبوں کی ...... خوش بیانی کا

ہے دل میں ایک ہی خواہش...... وہ ڈوب جانے کی
کوئی شباب...... کوئی حسن ہے روانی کا؟

لباس حشر میں کچھ ہو...... تو اور کیا ہوگا؟
بجھا سا اک چھناکا...... تری جوانی کا

کرم کے رنگ...... نہایت عجیب ہوتے ہیں
ستم بھی ایک طریقہ ہے...... مہربانی کا

عدمؔ بہار کے موسم نے...... خودکشی کرلی
کھلا جو رنگ...... کسی جسمِ ارغوانی کا

○

دنیا کے جور پر...... نہ ترے التفات پر
میں غور کر رہا ہوں...... کسی اور بات پر

دیکھا ہے مسکرا کے...... جو اس مہ جبیں نے
جوبن سا آگیا ہے ذرا...... واقعات پر

دیتے ہیں حکم خود ہی مجھے...... بولنے کا آپ
پھر ٹوکتے ہیں آپ...... مجھے بات بات پر

میں جانتا تھا تم بڑے سفاک ہو...... مگر
انساں کو اختیار نہیں...... حادثات پر

جینا ہے چار روز...... تو اے صاحبِ خرد
گہری نظر نہ ڈال...... فریبِ حیات پر

ایسی حسین باتیں...... ہوئی بھی ہیں سچ کبھی
میں کس طرح یقین کروں...... تیری بات پر

غلطاں تھی کائنات...... اسی رنگ میں عدمؔ
جس رنگ کی نگاہ پڑی...... کائنات پر

○

شیریں سے صاف کہہ دے کہ ممکن نہیں یہ کام
فرہاد...... آبرو نہ گنوانے کی بات کر

ہم چوب سوختنی ہی سہی...... اے پری جمال
لیکن کسی ادا سے...... جلانے کی بات کر

پہلے گھڑے اٹھا...... کسی زہرہ جمال کے
پھر تھوڑا تھوڑا عشق لڑانے کی...... بات کر

تو خود بجا ہے...... دل ترا جاہل ہے اے عدمؔ
اس کو بھی کچھ...... لکھانے پڑھانے کی بات کر

○

جو تیرے رازداں تھے بڑے معتبر ملے
کچھ نیم آشنا ملے...... کچھ بے خبر ملے

ہم چھوڑ لیں گے سر بڑے صدق و خلوص سے
لیکن اگر بھلا سا کوئی...... سنگِ در ملے

ملتے ہیں یوں وہ صبح کے ہنگام...... جس طرح
کرتے ہی سجدہ...... اجرِ نمازِ سحر ملے

مجھ کو جوابِ خط کی ضرورت نہیں...... مگر
صورت تو اس کی دیکھ لوں گر نامہ بر ملے

ہم کو ملے ضرور تھے وہ...... اتنا یاد ہے
اس کی کوئی خبر نہیں...... کب اور کدھر ملے

پاسِ تکلّفات میں عمریں گزر گئیں
اک دن تو بے دریغ...... نظر سے نظر ملے

تیزی سے اپنے گھر کی طرف جارہا ہوں میں
وہ اپنے گھر ملے...... نہ رقیبوں کے گھر ملے

یہ کس طرح کی بھول بھلیاں ہیں اے سجن
تیرا پتا ملے...... نہ کچھ اپنی خبر ملے

پوچھا گیا کچھ اور...... بتایا گیا کچھ اور
کیا روشنی عطا ہوئی...... کیا راہ بر ملے

لگتی تھیں خصلتیں مری...... بے حد جنہیں خراب
اب ڈھونڈتے ہیں وہ کہ وہی بے ہنر ملے

راہِ عدم طویل ہے...... نبضِ حیات ست
ساقی سفر دراز ہے...... زادِ سفر ملے

○

وہ آگئے تو...... قلب کی تالیف ہوگئی
رخصت ہوئے...... تو پھر وہی تکلیف ہوگئی

محشر میں...... اک سوال کیا تھا کریم نے
مجھ سے وہاں بھی...... آپ کی تعریف ہوگئی

میں اپنے واقعات پہ...... حیراں ہوں آپ بھی
کیا علم یہ غزل...... کہاں تصنیف ہوگئی

اسبابِ بدمزاجیٔ زاھد...... نہ پوچھیے
میں پی رہا تھا...... آپ کو تکلیف ہوگئی

دامن چھڑا کے یار...... جو رخصت ہوا عدمؔ
سارے بدن سے...... جان کی تخفیف ہوگئی

○

جب سے موافقت ہے مئے لالہ فام سے
لیتا ہوں تیرا نام بڑے احترام سے

کیا دل نشیں ہیں گیسوئے جاناں کے پیچ و خم
رغبت سی ہوچلی ہے طبیعت کو دام سے

تسنیم و سلسبیل کا مجھ کو نہ دے فریب
اک بوند اڑ گئی تھی فقیروں کے جام سے

گزرے گی زندگی کی سیہ رات کس طرح
دل کا چراغ گل ہوا جاتا ہے شام سے

فرصت نہ مل سکی ہمیں آلامِ زیست سے
ورنہ بلا رہا تھا کوئی ہر مقام سے

جو لمحہ مے کدے کی ہوا میں کٹے عدمؔ
وہ لمحہ قیمتی ہے حیاتِ دوام سے

○

بے جنبشِ ابرو تو نہیں کام چلے گا
آ کر مرے قصّے میں ترا نام چلے گا

ٹھہرا ہے مرے ذہن میں جو قافلۂ گل
تھوڑا سا تو لے کر یہاں آرام چلے گا

زُہّاد کی مالا نہیں جو رات کو نکلے
رندوں کا پیالہ ہے سرِ شام چلے گا

تُو رقص کرے گرد مرے اور میں گاؤں
یہ کھیل بھی اے گردشِ ایّام چلے گا

چُھپ چھپ کے جو آتا ہے ابھی میری گلی میں
اک روز مرے ساتھ سرِ عام چلے گا

○

زیست کا مفہوم پوچھا تھا کہ اک جام آگیا
ذوقِ استفسار کو تھوڑا سا آرام آگیا

وہ شفق پھوٹی وہ مستانہ ہوا چلنے لگی
مے کشو اٹھو کہ مے نوشی کا ہنگام آگیا

زندگی اور موت کے تیرہ معمّے ہائے! ہائے
اِس دوراہے پر چراغِ مے کدہ کام آگیا

تیری آنکھوں پر کہیں تہمت نہ لگ جائے کوئی
میری وحشت پر تو اک رنگین الزام آگیا

جانے کیا پوچھا تھا کل شب مجھ سے اک میخوار نے
عالمِ مستی میں لب پر آپ کا نام آگیا

رات مے خانے کا دروازہ عدمؔ مسدود تھا
شومیٔ تقدیر کو میں دے کے دشنام آگیا

○

کہاں ہیں مئے ارغواں دینے والے
پیالوں میں کون و مکاں دینے والے

کسی مستقل رنگ میں جلوہ گر ہو
فریبِ بہار و خزاں دینے والے

ذرا اپنا چاک گریباں تو سی لیں
مجھے دعوتِ گلستاں دینے والے

ٹھہر جا میں اک آخری جام پی لوں
بہاروں کو حکمِ خزاں دینے والے

وجود و عدم کے دوراہے پہ لا کر
کہاں ہیں ہمارا نشاں دینے والے

○

ہم خوگرِ فریاد ہیں، فریاد کریں گے
کچھ اور تمھیں مائلِ بیداد کریں گے

اب سنگ کی لذّت کا ہے کچھ اور ہی عالم
یہ طفل کہاں تک مری امداد کریں گے

کس پیار سے لوٹا ہے ہمیں تُو نے ستمگر
رہزن! ترے اخلاص کو ہم یاد کریں گے

یہ دل کا نگر ہے، یہاں کیا کام خدا کا
اصنام سے اس دیس کو آباد کریں گے

آتے ہیں ہمیں بھی بڑے تخلیق کے جادو
ہم بھی کوئی طُرفہ ستم ایجاد کریں گے

لہرا کے، جھوم جھوم کے لا، مسکرا کے لا
پھولوں کے رس میں چاند کی کرنیں، ملا کے لا

کہتے ہیں عمرِ رفتہ کبھی لوٹتی نہیں
جا مے کدے سے میری جوانی اٹھا کے لا

ساغر شکن ہے شیخِ بلا نوش کی نظر
شیشے کو زیرِ دامنِ رنگیں چھپا کے لا

کیوں جا رہی ہے روٹھ کے رنگینیٔ بہار
جا ایک مرتبہ اسے پھر ورغلا کے لا

دیکھی نہیں ہے تو نے کبھی زندگی کی لہر
اچھا تو جا عدم کی صراحی اٹھا کے لا

جب تک نہ ترے نین خرابات بنیں گے
کیا میرے کمالات کمالات بنیں گے

گو جملہ سوالات نظر آتے ہیں آساں
پھر بھی ذرا مشکل سے جوابات بنیں گے

پڑ جائے گی جب تُم کو ہماری بھی ضرورت
ایسے بھی کئی مرتبہ حالات بنیں گے

زُلفوں کو جھٹک دے کہ اسی جنبشِ زر سے
درویش کے افکار و مقالات بنیں گے

دو ذرّے مرے دل کے کہیں دھیان سے رکھ لے
یہ ذرّے کبھی دیر و خرابات بنیں گے!

○

نقاب رخ سے کبھی یوں اٹھا دیا ہوتا
جنوں کو مذہبِ دنیا بنا دیا ہوتا

حیات ہم کو تلاطم میں لے کے ڈوب گئی
وگرنہ موت نے ساحل دکھا دیا ہوتا

ترے غرور کو تھوڑی سی داد تو ملتی
ہمیں بھی طُور پر موقع ذرا دیا ہوتا

تری نگاہ سے روشن رہا چراغِ امید
ہوائے غم نے تو کب کا بجھا دیا ہوتا

یہ کیا کہ تم نے جفا سے بھی ہاتھ کھینچ لیا
مری وفاؤں کا کچھ تو صلہ دیا ہوتا

جواب سہل تھا زاہد کی گفتگو کا عدمؔ
اٹھا کے جام ذرا مسکرا دیا ہوتا

○

تہی بھی ہوں تو پیمانے حسیں معلوم ہوتے ہیں
حقائق سے تو افسانے حسیں معلوم ہوتے ہیں

ملاقاتیں مسلسل ہوں تو دلچسپی نہیں رہتی
یہ بے ترتیب یارانے حسیں معلوم ہوتے ہیں

جوانی نام ہے اک خوبصورت موت کا ساقی
بھڑک اٹھیں تو پروانے حسیں معلوم ہوتے ہیں

وہ مے کش تیری آنکھوں کی حکایت سن کے آیا ہے
جسے ہر وقت پیمانے حسیں معلوم ہوتے ہیں

اداسی بھی عدمؔ احساسِ غم کی ایک دولت ہے
بسا اوقات ویرانے حسیں معلوم ہوتے ہیں

○

اب دو عالم سے صدائے ساز آتی ہے مجھے
دل کی آہٹ سے تری آواز آتی ہے مجھے

جھاڑ کر گردِ غمِ ہستی کو اڑ جاؤں گا میں
بے خبر ایسی بھی اک پرواز آتی ہے مجھے

یا سماعت کا بھرم ہے یا کسی نغمے کی گونج
ایک پہچانی ہوئی آواز آتی ہے مجھے

کس نے کھولا ہے ہوا میں گیسوؤں کو ناز سے
نرم رو برسات کی آواز آتی ہے مجھے

اس کی نازک انگلیوں کو دیکھ کر اکثر عدمؔ
ایک ہلکی سی صدائے ساز آتی ہے مجھے

○

دوستوں کے نام یاد آنے لگے
تلخ و شیریں جام یاد آنے لگے

وقت جوں جوں رائیگاں ہوتا گیا
زندگی کو کام یاد آنے لگے

خوب صورت تہمتیں چُبھنے لگیں
دل نشیں الزام یاد آنے لگے

پھر خیال آتے ہی شامِ ہجر کا
مرمریں اجسام یاد آنے لگے

بھُولنا چاہا تھا ان کو اے عدمؔ
پھر وہ صبح و شام یاد آنے لگے

○

ایک عنواں کا تجسّس ہے کہانی کے لئے
ایک صدمے کی ضرورت ہے جوانی کے لئے

زیست کو ساتھ حوادث کے جواں رہنے دو
کوئی ساحل نہیں بہتے ہوئے پانی کے لئے

مہ جبینوں کا ستم ہو کہ خدا کی بیداد
مشغلہ چاہئے ایّامِ جوانی کے لئے

اے غمِ زیست نمائش کا تبسّم ہی سہی
کوئی تمہید تو ہو اشک فشانی کے لئے

مے کے بارے میں عدمؔ اتنی خبر ہے ہم کو
چیز اچھی ہے طبیعت کی روانی کے لئے

○

دیکھ کر دل کشی زمانے کی
آرزو ہے فریب کھانے کی

اے غمِ زندگی نہ ہو ناراض
مجھ کو عادت ہے مسکرانے کی

ظلمتوں سے نہ ڈر کہ رستے میں
روشنی ہے شراب خانے کی

آ ترے گیسوؤں کو پیار کروں
رات ہے مشعلیں جلانے کی

کس نے ساغر عدم بلند کیا
تھم گئیں گردشیں زمانے کی

○

خالی ہے ابھی جام، میں کچھ سوچ رہا ہوں
اے گردشِ ایام میں کچھ سوچ رہا ہوں

ساقی تجھے اک تھوڑی سی تکلیف تو ہوگی
ساغر کو ذرا تھام، میں کچھ سوچ رہا ہوں

پہلے بڑی رغبت تھی ترے نام سے مجھ کو
اب سن کے ترا نام، میں کچھ سوچ رہا ہوں

ادراک ابھی پورا تعاون نہیں کرتا
دے بادۂ گلفام، میں کچھ سوچ رہا ہوں

حل کچھ تو نکل آئے گا حالات کی ضد کا
اے کثرتِ آلام، میں کچھ سوچ رہا ہوں

پھر آج عدم شام سے غمگیں ہے طبیعت
پھر آج سرِ شام میں کچھ سوچ رہا ہوں

○

تسکیں کی صورت کیا ہو گی، آرام کا امکاں کیا ہوگا
جو درد کہ جزوِ ہستی ہے، اس درد کا درماں کیا ہوگا

گلچیں کی بصارت کا دامن، کانٹوں کی کھٹک سے خائف ہے
یہ ظرف ہے جب آگاہی کا عرفانِ گلستاں کیا ہوگا

کلیوں کی نگاہیں حیراں ہیں، غنچوں کے تصور ویراں ہیں
آغازِ بہاراں کے صدقے انجامِ بہاراں کیا ہوگا

اے دوست سفینہ ہستی کا سیماب کی فطرت رکھتا ہے
آسودۂ ساحل رہ نہ سکا آسودۂ طوفاں کیا ہوگا

ڈوبے ہوئے دل کی دھیمی سی دھڑکن بھی سنائی دیتی ہے
اب اس سے زیادہ سنّاٹا، اے شامِ بیاباں کیا ہوگا

ہر دُور فتادہ مایوسی ہوتی ہے طرب انگیز عدمؔ
ہے اتنا اندھیرا رستے میں، منزل پہ چراغاں کیا ہوگا

○

جہاں فقیروں کو گھیر لیتی ہے ناگہاں گردشِ زمانہ
وہاں سے رستہ ضرور جاتا ہے کوئی سوئے شراب خانہ

یہ کیا ہوا ساکنانِ گلشن کو، کوئی جاکے خبر تو لائے
نہ کوئی اڑتا ہوا تبسّم، نہ کوئی بہتا ہوا ترانہ

ملے ہیں دل پر نشان دھندلے سے بارہا تیری انگلیوں کے
مرا تعارف ہوا ہے شاید تیری مروّت سے غائبانہ

خزاں کے دل دوز حادثے پر خلوص سے غور کر رہا ہے
کہیں کہیں صحنِ گلستاں میں لٹا لٹا کوئی آشیانہ

ادھر سے آ ہی گئے ہو صاحب تو ہم فقیروں سے مُخل کیسا
یہاں بھی اِمشب قیام کرلو، دُعائیں دے گا غریب خانہ

یہ شام کے سائے ڈس نہ جائیں عدم کہیں سے شراب لاؤ
کچھ ایسا محسوس ہورہا ہے بجھا ہوا ہے چراغ خانہ

○

ستارے بیخود و سرشار تھے کل شب جہاں میں تھا
اندھیرے رُوکشِ انوار تھے کل شب جہاں میں تھا

مسائل زندگی کے جو کبھی سیدھے نہ ہوتے تھے
سراسر سہل اور ہموار تھے کل شب جہاں میں تھا

اگرچہ محتسب بھی ان گنت تھے اس شبستاں میں
مگر سب میکشوں کے یار تھے کل شب جہاں میں تھا

جوانی محوِ آرائش تھی پوری خودنمائی سے
دو عالم آئنہ بردار تھے کل شب جہاں میں تھا

گدازِ قربتِ اصنام سے دل پگھلے جاتے تھے
نفس صہبا بدن گلنار تھے کل شب جہاں میں تھا

گماں ہوتا تھا شاید زندگی پھولوں کا گجرا ہے
گلوں کے اس قدر انبار تھے کل شب جہاں میں تھا

طلب میں جن کی عمریں صرف کردیں دیر و کعبہ میں
وہ مہ پیکر گلے کا ہار تھے کل شب جہاں میں تھا

جبینوں کی دمک، زلفوں کی ٹھنڈک، جسم کی خوشبو
غرض یہ ہے بڑے غمخوار تھے کل شب جہاں میں تھا

عدمؔ مت پوچھ کیا کیفیتیں تھیں ذہن پر طاری
نشاطِ روح کے معمار تھے کل شب جہاں میں

○

صدہا تکلفات کے بعد اک نظر اٹھی
بھرپور اٹھی اگرچہ بہت مختصر اٹھی

اُٹھی وہ چشمِ مست کچھ اس احتیاط سے
کوئی نہ کرسکا یہ تعین کدھر اٹھی

اٹھی ہماری سمت بھی وہ آنکھ بارہا
لیکن ہر ایک بار برنگِ دگر اٹھی

دنیائے آب و رنگ کا چہرہ اتر گیا
جب بھی مری نگاہِ حقیقت نگر اٹھی

میں اور شکستِ توبہ کا اتنا جنوں عدمؔ
وہ یہ ہوا کہ جام سے پہلے نظر اٹھی

○

کشتی چلا رہا ہے مگر کس ادا کے ساتھ
ہم بھی نہ ڈوب جائیں کہیں ناخدا کے ساتھ

دل کی طلب پڑی ہے تو آیا ہے یاد اب
وہ تو چلا گیا تھا کسی دلربا کے ساتھ

جب سے چلی ہے آدم و یزداں کی داستاں
ہر باوفا کا ربط ہے اک بے وفا کے ساتھ

مہمان، میزباں ہی کو بہکا کے لے اڑا
خوشبوئے گل بھی گھوم رہی ہے صبا کے ساتھ

پیرِ مغاں سے ہم کو کوئی تدبیر تو نہیں
تھوڑا سا اختلاف ہے مردِ خدا کے ساتھ

شیخ اور بہشت کتنے تعجب کی بات ہے
یارب یہ ظلم خلد کی آب و ہوا کے ساتھ

پڑھتا نماز میں بھی ہوں پر اتفاق سے
اٹھتا ہوں نصف رات کو دل کی صدا کے ساتھ

محشر کا خیر کچھ بھی نتیجہ ہو اے عدم
کچھ گفتگو تو کھل کے کریں گے خدا کے ساتھ

○

کر کے ارادۃً مجھے مخمور لے گئی
وہ چشمِ نیم باز بہت دور لے گئی

توبہ تو سخت کی تھی مگر سوئے میکدہ
پھر وضعِ احتیاط بدستور لے گئی

جانا تھا اہلِ راز نے جس بزم میں وہاں
دنیا خروشِ سرمد و منصور لے گئی

مجھ کو وہ آنچ چھوڑ گئی میکدے کے پاس
موسیٰ کو کھینچ کر جو سرِ طور لے گئی

ان کا سراغ دار سے پہلے نہ مل سکا
نزدیک کی امنگ بہت دور لے گئی

آئی ندا جو دعوتِ مے کی کبھی عدمؔ
توبہ مرا پیالہ مکسور لے گئی

○

گھر میں شبنم کے جو خورشید کی مہمانی ہے
ظرف ہر قطرہ میں سو بحر کی طغیانی ہے

واں وہی رسمِ تغافل کا ستم جاری ہے
یاں وہی فرطِ عقیدت کی فراوانی ہے

باغباں میرے نشیمن کو نہ چھو برق کو دیکھ
وہ میری نیّتِ بے باک کی عریانی ہے

آؤ اس عہد میں کچھ کارِ فراست کرلیں
لوگ کہتے ہیں جوانی بڑی دیوانی ہے

مختصر یہ ہے کہ زندہ ہوں تمہاری خاطر
کیسے زندہ ہوں یہ قصّہ بڑا طولانی ہے

آنکھ کو مے میں بھگولوں تو کروں جرأتِ دید
مہ جبینوں کے رُخوں پر بڑی تابانی ہے

یہ جو ہے نکہتِ آوارہ گل اے مالی
تجھ کو معلوم ہے کس دیس کی یہ رانی ہے

چاٹ کچھ ایسی ستم گر کو پڑی ہے کہ عدمؔ
شیخ ہے اور درِ میخانہ کی دربانی ہے

○

گرتے ہیں لوگ گرمیٔ بازار دیکھ کر
سرکار دیکھ کر مری سرکار دیکھ کر

آوارگی کا شوق بھڑکتا ہے اور بھی
تیری گلی کا سایۂ دیوار دیکھ کر

تسکینِ دل کی ایک ہی تدبیر ہے فقط
سر پھوڑ لیجئے کوئی دیوار دیکھ کر

ہم بھی گئے ہیں ہوش سے ساقی کبھی کبھی
لیکن تری نگاہ کے اطوار دیکھ کر

کیا مستقل علاج کیا دل کے درد کا
وہ مسکرا دیئے مجھے بیمار دیکھ کر

دیکھا کسی کی سمت تو کیا ہو گیا عدمؔ
چلتے ہیں راہ رو سرِ بازار دیکھ کر

○

مدت ہوئی ہے موت کو مہماں کیے ہوئے
ہستی کی مشکلات کو آساں کیے ہوئے

اب کیا درست ہوں گے زمانے کے کاروبار
وہ آگئے ہیں بال پریشاں کیے ہوئے

جی چاہتا ہے عہدِ جوانی گزار دوں
سر کو سپردِ زانوئے جاناں کیے ہوئے

بیدار ہو رہا ہے تصوّر کا بُت کدہ
صدہا تکلفات کا ساماں کیے ہوئے

پھر کاروبارِ خاص میں مصروف ہے خرد
قندیلِ مصلحت کو فروزاں کیے ہوئے

○

پیوست ہو رہے ہیں لبوں پر کسی کے لب
شیرینیٔ دہن کو رگِ جاں کیے ہوئے

عنوانِ خودنمائی پہ مائل ہے پھر شباب
ڈستے ہوئے خطوط کو عریاں کیے ہوئے

اے آفتابِ حُسنِ ازل کچھ خیال کر
بیٹھی ہے رات چاکِ گریباں کیے ہوئے

رُخ سے نقاب اٹھا کہ بڑی دیر ہو گئی
ماحول کو تلاوتِ قرآں کیے ہوئے

آجا خرامِ ناز کی لہروں کے دوش پر
گلپوش راستوں کو غزلخواں کیے ہوئے

پھر پردہ در ہے عشق کا ذوقِ مصوّری
یوسف کے پیرہن کو گریباں کئے ہوئے

پھر جارہا ہوں اس کی گلی میں بصد خروش
سامانِ بدحواسی درباں کئے ہوئے

پھر دل میں اٹھ رہا ہے خرابی کا ولولہ
بازارِ احتیاط کو ویراں کئے ہوئے

پھر گرم خواہشات کا موسم ہے جوش پر
قطرے کو موج موج کو طوفاں کئے ہوئے

پھر آرہی ہے بام پہ رعنائیِ جمال
غمزے کی دوپہر کو درخشاں کئے ہوئے

ترکش بدوش پھر چلی آتی ہے زندگی
اندازۂ جراحتِ پنہاں کئے ہوئے

پھر جارہا ہوں سوئے خرابات اے عدمؔ
توبہ کی گمرہی کو مسلماں کئے ہوئے

○

آگہی میں اک خلا موجود ہے
اس کا مطلب ہے خدا موجود ہے

ہے یقیناً کچھ، مگر واضح نہیں
آپ کی، آنکھوں میں کیا موجود ہے

بانکپن میں اور کوئی شے نہیں
سادگی کی انتہا موجود ہے

ہے مکمل بادشاہی کی دلیل
گھر میں گر اک بوریا موجود ہے

شوقیہ کوئی نہیں ہوتا غلط
اس میں کچھ تیری رضا موجود ہے

اس لئے تنہا ہوں میں گرمِ سفر
قافلے میں رہنما موجود ہے

ہر محبت کی بنا ہے چاشنی
ہر لگن میں مدّعا موجود ہے

ہر جگہ ہر شہر ہر اقلیم میں
دھوم ہے اس کی جو نا موجود ہے

جس سے چھپنا چاہتا ہوں میں عدمؔ
وہ ستمگر جابجا موجود ہے

○

ہم سے چناں چنیں نہ کرو، ہم نشے میں ہیں
ہم جو کہیں نہیں نہ کرو، ہم نشے میں ہیں

نشہ کوئی ڈھکی چھپی تحریک تو نہیں
ہر چند تم یقیں نہ کرو، ہم نشے میں ہیں

ایسا نہ ہو کہ آپ کی بانہوں میں آگریں
آنکھوں کو خشمگیں نہ کرو، ہم نشے میں ہیں

باتیں کرو نگار و بہار و شراب کی
اذکارِ شرع ودیں نہ کرو ہم نشے میں ہیں

یہ وقت ہے عدمؔ کی تواضع کا صاحبو
تنگ اپنی آستیں نہ کرو ہم نشے میں ہیں

○

صبح کاشی کی بہاروں سے پکارو مجھ کو
شام متھرا کے نگاروں سے پکارو مجھ کو

سرِ بازار صدا مُوجبِ رسوائی ہے
سربازار اشاروں سے پکارو مجھ کو

میں خرابات بدوش آؤں گا ملنے تم کو
ایک شب چاند ستاروں سے پکارو مجھ کو

ایسے موسم میں اکیلا نہیں جچتا کوئی
مست ساون کی پھواروں سے پکارو مجھ کو

یا کسی جام کے غرفے سے توجّہ بخشو
یا کسی ساز کے تاروں سے پکارو مجھ کو

○

میکدہ تھا، چاندنی تھی، میں نہ تھا
اک مجسّم بے خودی تھی، میں نہ تھا

عشق جب دم توڑتا تھا، وہ نہ تھے
موت جب سر دُھن رہی تھی، میں نہ تھا

طُور پر چھیڑا تھا، جس نے آپ کو
وہ میری دیوانگی تھی، میں نہ تھا

مَیں اور اس غنچہ دہن کی آرزو
آرزو کی سادگی تھی، میں نہ تھا

وہ حسیں بیٹھا تھا جب میرے قریب
لذّتِ ہمسائیگی تھی میں نہ تھا

تھی حقیقت بس مری تو اس قدر
اس حسیں کی دل لگی تھی، میں نہ تھا

میکدے کے موڑ پر رُکتی ہوئی
مدتوں کی تشنگی تھی، میں نہ تھا

جس نے مہ پاروں کے دل پگھلا دیئے
وہ تو میری شاعری تھی، میں نہ تھا

دیر و کعبہ میں عدم حیرت فروش
دوجہاں کی بدظنی تھی میں نہ تھا

○

ظلمت کا پھول مے کے اُجالے میں آگرا
ہستی کا راز میرے پیالے میں آگرا

مہتاب کا تو ذکر ہی کیا جب جلن ہوئی
سُورج بھی زلفِ یار کے ہالے میں آگرا

کہتے ہیں جس کو خضر وہ مردِ حکیم بھی
ساقی کی انکھڑیوں کے سنبھالے میں آگرا

لوٹی ہے عقل سوئے جنوں اس امنگ سے
جیسے گناہ گار شوالے میں آگرا

ایسے گرا ہے مَے کے خرابات میں عدم
جیسے چکور چاند کے ہالے میں آگرا

○

وقت ضائع نہ کر خیالوں میں
ڈوب جا احمریں پیالوں میں

جو تری کاکلِ سیاہ میں ہے
وہ تجلّی کہاں اجالوں میں

جو ترے ابرؤوں کی نوک میں ہے
وہ جراحت کہاں ہلالوں میں

جس حقیقت کا تھا وجود کوئی
ڈھل گئی بولتی مثالوں میں

چوٹ اک تو لگے یقینی سی
عمر گزری ہے احتمالوں میں

بات کرتے ہی چل گیا ہے پتا
ہوش کتنا ہے ہوش والوں میں

اس قدر کیوں جھجک رہے ہو عدمؔ
بیٹھ جاؤ پری جمالوں میں

○

مے نہیں قصرِ زندگانی ہے
روشنی ہے، ہوا ہے، پانی ہے

آج دل ڈوبنے سے ڈرتا ہے
دیکھ دریا میں کتنا پانی ہے

جو بھی کرنا ہے کر گزر اے دل
سوچنا مرگِ شادمانی ہے

ہم نے خود مسکرا کے دیکھا ہے
مسکراہٹ بھی نوحہ خوانی ہے

زندگی وہ جو ان کے ساتھ گئی
یہ تو میری حیاتِ ثانی ہے

کیسے آئے عدم سے ہستی میں
وہ تو سادہ سی اک کہانی ہے

○

مشکل یہ آپڑی ہے کہ گردش میں جام ہے
اے ہوش ورنہ مجھ کو ترا احترام ہے

فرصت کا وقت ڈھونڈ کے ملنا کبھی اجل
تجھ کو بھی کام ہے ابھی مجھ کو بھی کام ہے

آتی بہت قریب سے خوشبو ہے یار کی
جاری ادھر ادھر ہی کہیں دورِ جام ہے

کچھ زہر کو ترستے ہیں کچھ مے میں غرق ہیں
ساقی یہ تیری بزم کا کیا انتظام ہے

مے اور حرام؟ حضرتِ زاہد خدا کا خوف
وہ تو کہا گیا تھا کہ مستی حرام ہے

اے زلفِ عنبریں ذرا لہرا کے پھیلنا
اک رات اس چمن میں مرا بھی قیام ہے

اے زندگی تو آپ ہی چپکے سے دیکھ لے
جامِ عدم پہ لکھا ہوا کس کا نام ہے

○

گوشہ سرک گیا جو کسی کے نقاب کا
کیسے بدن کباب ہوا آفتاب کا

آنکھوں پہ دیر تک میں چھڑکتا رہا گلاب
اک حرف پڑھ گیا تھا خرد کی کتاب کا

جو طول لے کے ظرفِ قیامت میں ڈھل گیا
چھوٹا سا جرم تھا مرے عہدِ شباب کا

مخلوقِ بت کدہ ہے عبث پیکرِ سوال
یزداں کے پاس وقت کہاں ہے جواب کا

بعد اس کے جو عتاب بھی کر سب درست ہے
دے مسکرا کے پہلے پیالہ شراب کا

اک قطرہ دردِ دل کا اگر پھینک دوں عدمؔ
ہوجائے پاش پاش کلیجہ چناب کا

○

وہاں جو بستے ہیں ان مہ وشوں کی خو کیا ہے
ترے بہشت کا معیارِ رنگ و بُو کیا ہے

نماز دل کی حضوری کا نام ہے زاہد
نماز ہی نہیں حاضر تو پھر وضو کیا ہے

پرے نظر کے تو کہتے ہیں ذات ہے تیری
مرے کریم یہ آنکھوں کے رُوبرو کیا ہے

یقین آنے لگا ہے کچھ اپنے ہونے کا
اسی ادا سے مکرّر کہو کہ تُو کیا ہے

نگاہِ یار نے بخشے ہیں نام اشیاء کو
بغیر اس کے شراب و خم و سبو کیا ہے

جو مُشکبو کے شناسا ہیں وہ بتائیں مجھے
بغیر زُلف کے مفہومِ مُشکبُو کیا ہے

چبھو ہی لیتے ہیں کانٹے بہار میں بلبل
یہ دیکھنے کے لئے اے عدؔم لہو کیا ہے

○

کتنی بے ساختہ خطا ہوں میں
آپ کی رغبت و رضا ہوں میں

میں نے جب ساز چھیڑنا چاہا
خامشی چیخ اُٹھی، صدا ہُوں میں

حشر کی صبح تک تو جاگوں گا
رات کا آخری دِیا ہُوں میں

آپ نے مجھ کو خوُب پہچانا
واقعی سخت بے وفا ہُوں میں

میں نے سمجھا تھا میں محبت ہوں
میں نہ سمجھا تھا مُدّعا ہوں میں

کاش مجھ کو کوئی بتائے عدمؔ
کس پری وش کی بددُعا ہوں میں

○

وہ باتیں تری وہ فسانے ترے
شگفتہ شگفتہ بہانے ترے

مظالم ترے عافیت آفریں
مراسم سہانے سہانے ترے

فقیروں کی جھولی نہ ہو گی تہی
ہیں بھرپور جب تک خزانے ترے

دلوں کو جراحت کا لطف آگیا
لگے ہیں کچھ ایسے نشانے ترے

اسیروں کی دولت' اسیری کا غم
نئے دام تیرے' پرانے ترے

بس اک زخمِ نظارہ حصّہ مِرا
بہاریں تری، آشیانے ترے

فقیروں کا جمگھٹ گھڑی دو گھڑی
شرابیں تری بادہ خانے ترے

ضمیرِ صدف میں کرن کا مقام
انوکھے انوکھے ٹھکانے ترے

بہار و خزاں کم نگاہوں کے وہم
برے یا بھلے سب زمانے ترے

عدم بھی ہے تیرا حکایت کدہ
کہاں تک گئے ہیں فسانے ترے

○

گلوں سے دوستی ہے شبنمستانوں میں رہتا ہوں
بڑے سر سبز اور شاداب رُومانوں میں رہتا ہوں

کنارے پر نہ کچھے گا زیادہ جستجو میری
کہ میں لہروں کا متوالا ہوں طوفانوں میں رہتا ہوں

مسرّت کی تمنّا ہو تو نادانوں سے ملتا ہوں
اذیّت کی ضرورت ہو تو فرزانوں میں رہتا ہوں

میں دانستہ حقائق کی ڈگر سے لوٹ آیا ہوں
میں تفریحاً طرب انگیز افسانوں میں رہتا ہوں

لبِ ساغر سے زلفِ یار تک ہے سلطنت میری
گلستانوں میں سوتا ہوں شبستانوں میں رہتا ہوں

جہاں بھی مانگ ہو میری پہنچ جاتا ہوں لہرا کر
میں شمعوں میں سلگتا ہوں میں پروانوں میں رہتا ہوں

نہ جانے خُلد میں کس سے عدمؔ ہم مجلسی ہوگی
یہاں تو خیر کچھ با ہوش انسانوں میں رہتا ہوں

○

پھول گاتے ہیں خار گاتے ہیں
نغمۂ نَو بہار آتے ہیں

ساز کا ساز تو نہیں بجتا
ساز کے چند تار گاتے ہیں

سیلِ گریہ کا جب بھی ہو موسم
دل کے جھرنے ملہار گاتے ہیں

مجھ کو اس کارگاہ میں لے چل
جس جگہ کاروبار گاتے ہیں

میری ہستی کے آئنے میں عدمؔ
کس کے نقش و نگار گاتے ہیں

○

خرابات میں ہم کو لے جا رہے ہو
یہ کیا قیمتی ظلم فرما رہے ہو

قیامت کا بازار کیا گرم ہوگا
نہ ہم جا رہے ہیں نہ تم آ رہے ہو

بڑے نکتہ رس ہو مرے خیر خواہ ہو
مجھے ان کے بارے میں سمجھا رہے ہو

محبّت سے لبریز نظروں کو روکو
مجھے کیوں تباہی پہ اُکسا رہے ہو

کسی ضابطے میں تو زلفوں کو لاؤ
نہ الجھا رہے ہو نہ سُلجھا رہے ہو

عدؔم کس متانت سے بیمار ہو کر
جواں گیسوؤں کی ہوا کھا رہے ہو

○

مطلب، معاملات کا کچھ پا گیا ہوں میں
ہنس کر فریبِ چشمِ کرم کھا گیا ہوں میں

بس انتہا ہے چھوڑیئے بس رہنے دیجئے
خود اپنے اعتماد سے شرما گیا ہوں میں

ساقی ذرا نگاہ ملا کر تو دیکھنا
کم بخت ہوش میں تو نہیں آ گیا ہوں میں

شاید مجھے نکال کے پچھتا رہے ہوں آپ
محفل میں اس خیال سے پھر آ گیا ہوں میں

کیا اب حساب بھی تو مرا لے گا حشر میں
کیا یہ عتاب کم ہے یہاں آ گیا ہوں میں

میں عشق ہوں مرا بھلا کیا کام دار سے
وہ شرع تھی جسے وہاں لٹکا گیا ہوں میں

نکلا تھا میکدے سے کہ اب گھر چلوں عدمؔ
گھبرا کے سوئے میکدہ پھر آگیا ہوں میں

○

ہم کچھ اس ڈھب سے ترے گھر کا پتہ دیتے ہیں
خضر بھی آئے تو گمراہ بنا دیتے ہیں

کس قدر محسن و ہمدرد ہیں احباب مرے
جب بھی میں ہوش میں آتا ہوں پلا دیتے ہیں

شکر ہے فکر سے تو نے ہمیں آزاد کیا
راہ زن تیری بصیرت کو دعا دیتے ہیں

عقل ہر شخص کو اتنی کہاں ہوتی ہے نصیب
وہ تو کچھ سر پھرے انسان سکھا دیتے ہیں

ہم کریں گے بھی تو رکھوالی کہاں تک اس کی
آج دل کو تری زلفوں میں بسا دیتے ہیں

حادثہ کوئی خدا نے بھی کیا ہے پیدا
حادثے تو فقط انسان بنا دیتے ہیں

یاد بچھڑے ہوئے ایّام کی یُوں آتی ہے
جس طرح دُور سے معشوق صدا دیتے ہیں

ہم کو شاہوں سے عدالت کی توقّع تو نہیں
آپ کہتے ہیں تو زنجیر ہلا دیتے ہیں

دل اسی زہر کی لذّت سے سلامت ہے عدمؔ
ہم حسینوں کی جفاؤں کو دعا دیتے ہیں

○

شام ہوتی ہے دیا جلتا ہے میخانے کا
کون سا باب ہے یہ زیست کے افسانے کا

عشق کے کام منظّم بھی ہیں ہنگامی بھی
شمع اک دوسرا کردار ہے افسانے کا

بن گیا فتنۂ محشر کا اثاثہ آخر
غلغلہ میری جوانی کے بہک جانے کا

ناصحا خیر سے تو خود ہی بہک جا اک دن
کیا یہ انداز مناسب نہیں سمجھانے کا

زندگی راہ نوردی سے عبارت ہے عدمؔ
موت مفہوم ہے رستے سے گزر جانے کا

○

اے ساقیِ مہ وش غمِ دوراں نہیں اٹھتا
درویش کے حجرے سے یہ مہماں نہیں اٹھتا

کہتے تھے کہ ہے بارِ دو عالم بھی کوئی چیز
دیکھا ہے تو اب بارِ گریباں نہیں اٹھتا

کیا میرے سفینے ہی کی دریا کو کھٹک تھی
کیا بات ہے اب کیوں کوئی طوفاں نہیں اٹھتا

کس نقشِ قدم پر ہے جھکا روزِ ازل سے
کس وہم میں سجدے سے بیاباں نہیں اٹھتا

بے ہمّتِ مردانہ مسافت نہیں کٹتی
بے عزمِ مصمّم قدم آساں نہیں اٹھتا

یوں اٹھتی ہیں انگڑائی کو وہ مرمریں باہیں
جیسے کہ عدم تختِ سلیماں نہیں اٹھتا

○

حیلے کی بات کر...... نہ بہانے کی بات کر
آغوشِ اشتیاق میں آنے کی بات کر

مجھ کو سدھارنے ہی کا...... ناصح نہ دکھ اٹھا
خود کو بھی...... اعتدال پہ لانے کی بات کر

واعظ کرخت باتوں سے...... کیا ان کا واسطہ
بادہ کشوں سے...... پینے پلانے کی...... بات کر

رندوں کو تنگ کرکے...... نہ کر آخرت خراب
اے شیخ...... کچھ ثواب کمانے کی بات، کر

میں اور نصفِ شب ترے درباں سے ساز باز؟
اے عشوہ باز...... کوئی ٹھکانے کی بات کر

○

زندگی نا تمام ہے شاید
موت وقفے کا نام ہے شاید

ایسا محسوس ہو رہا ہے کوئی
خواب میں ہمکلام ہے شاید

دل کی دھڑکن وجود ہے اس کا
سانس اس کا پیام ہے شاید

ایک سفّاک آنکھ کا مطلب
ایک بھر پُور جام ہے شاید

پی گیا ہے جو میرا بھی حصّہ
شیخ عالی مقام ہے شاید

رہنما ساتھ دے نہیں سکتے
راہ رو تیز گام ہے شاید

کتنی ضَو ہے عدم کے چہرے پر
غیر رسمی اِمام ہے شاید

○

سُونی راہوں میں چلنے والے ہیں
ہم ترے شہر کے اُجالے ہیں

ہم نے مطلب مہ و ستارہ کے
آپ کی زلف سے نکالے ہیں

اصل موضوع بھی کیا حسیں ہو گا
دیرو کعبہ تو دو حوالے ہیں

دودھ کی نہر جو نکال سکیں
کوہکن تو نہیں گوالے ہیں

شیخ ان کے قریب مت آنا
یہ کتابیں نہیں پیالے ہیں

○

کاش اک روز جھوٹ ہی کہہ دے
میری آنکھیں ترے حوالے ہیں

حادثوں سے شراب کی ہے کشید
پتھروں سے صنم نکالے ہیں

آج ہم نے تجھے چراغوں میں
پیس کر آفتاب ڈالے ہیں

تُف ہے تاریخ پر عدمؔ جس نے
صرف شاہوں کے نام اُچھالے ہیں

○

اک رات تیری شمعِ شبستاں رہا ہوں مَیں
احساسِ زندگی سے فروزاں رہا ہوں مَیں

یُوں آ رہی ہے نکہتِ گل اپنے ذہن سے
جیسے نگارِ ہند پرستاں رہا ہوں مَیں

شاید وہ اپنے ہونے کا کوئی ثبوت دے
اس مصلحت سے مُنکرِ یزداں رہا ہوں مَیں

یاروں کی حجتیں ہوں کہ غیروں کی تُہمتیں
جس رنگ میں رہا ہوں نمایاں رہا ہوں مَیں

اک رات غرق کر کے نشے میں اُسے عدمؔ
خُود حکمرانِ تختِ سلیماں رہا ہوں مَیں

○

اس کی پائل اگر چھنک جائے
گردشِ آسماں ٹھٹھک جائے

اس کے ہنسنے کی کیفیّت توبہ
جیسے بجلی چمک چمک جائے

اس کے سینے کا زیر و بم توبہ
دیوتاؤں کا دل دھڑک جائے

اس کی آنکھوں کو دیکھ پائے اگر
جو فرشتہ ہے وہ بہک جائے

اس کی گردن کا تذکرہ سن کر
جو صراحی ہے وہ چھلک جائے

لے اگر جھوم کر وہ انگڑائی
زندگی دار پر لٹک جائے

ایسے بھرپور ہے بدن اس کا
جیسے ساون کا آم پک جائے

چُور ہے ایسے بانکپن اس کا
جیسے ڈس ڈس کے سانپ تھک جائے

ہائے اس مہ جبیں کی یاد عدمؔ
جیسے سینے میں دم اٹک جائے

○

جنبشِ کاکلِ محبوب سے دن ڈھلتا ہے
ہائے کس خُوبیِ اسلوب سے دن ڈھلتا ہے

پھینک کلفت زدہ سورج پہ بھی چھینٹے اس کے
جس مئے دلکش و مرغوب سے دن ڈھلتا ہے

کوششِ بندۂ دانا نہیں کامل ہوتی
صحبتِ بندۂ مجذوب سے دن ڈھلتا ہے

مہر کے ولولۂ راست سے پو پھٹتی ہے
مہر کے جذبۂ مقلوب سے دن ڈھلتا ہے

ساقیا ایک عدمؔ کو بھی پھریری اس کی
جس کھنکتے ہوئے مشروب سے دن ڈھلتا ہے

کوئی تو رختِ سفر عقلِ بے دماغ جلا
چراغ جل نہیں سکتا تو دل کا داغ جلا

اک آشیانہ جلا کر ہی دم نہ کر ظالم
تُو برق ہے تو ادھر آ تمام باغ جلا

اگرچہ جلنے کی مہلت تھی صرف ایک گھڑی
مرا خیال ہے پروانہ با فراغ جلا

ہمارے آنے پہ ہستی کے میکدے میں عدمؔ
یہ جشن کم ہے کہ خالی سا اک ایاغ جلا

ہوس کے سارے طلسماتِ خواب ٹوٹ گئے
رواں ہے عشق کا دریا حباب ٹوٹ گئے

بڑے خلوص سے نغمے کا اختتام ہوا
بڑے نیاز سے تارِ رباب ٹوٹ گئے

طلب کی آگ نے اجزائے دل کو پھونک دیا
صبا کے زور سے برگِ گلاب ٹوٹ گئے

نکل گیا تھا میں اک دن شراب خانے کو
کھنک کھنک کے ظروفِ شراب ٹوٹ گئے

نگاہِ شوق پڑی جب بھی بے دریغ عدمؔ
سمن بروں کے جلالی نقاب ٹوٹ گئے

حقیقتیں ہیں کئی اور کئی فسانے ہیں
ابھی حضور سے ملنے کے کچھ بہانے ہیں

جو بادشاہوں کے خوابوں میں بھی نہیں ہونگے
دلِ فقیر کے قبضے میں وہ خزانے ہیں

تری گلی ہوتی یا مے کدے کا دروازہ
قلندروں کے یہی ایک دو ٹھکانے ہیں

میں کیسے کاٹوں گا لمحے تری جدائی کے
ہر ایک لمحے کے اندر کئی زمانے ہیں

زمانے ہی کی بس نہ رُوداد سُن
ہماری بھی تھوڑی سی فریاد سُن

اگر آگیا ہے تو اے مہ جبیں
ذرا اپنی تھوڑی سی رُوداد سُن

اسیروں پہ کیا کیا ہُوئے ہیں سِتم
بڑے لطف سے میرے صیّاد سُن

سلیماں کے دربار ہی پر نہ جا
ہماری بھی بات اے پری زاد سُن

سُنائی تھی جو بات تجھ کو عدمؔ
وہ بات آگئی ہے مجھے یاد سُن

○

دن گزر جائیں گے سرکار، کوئی بات نہیں
زخم بھر جائیں گے سرکار، کوئی بات نہیں

آپ کا شہر اگر بار سمجھتا ہے ہمیں
کُوچ کر جائیں گے سرکار، کوئی بات نہیں

آپ کے جور کا جب ذکر چھڑا محشر میں
ہم مُکر جائیں گے سرکار، کوئی بات نہیں

رو کے جینے میں بھلا کونسی شیرینی ہے
ہنس کے مرجائیں گے سرکار، کوئی بات نہیں

نکل آئے ہیں عدمؔ سے تو جھجکنا کیسا
دربدر جائیں گے سرکار، کوئی بات نہیں

○

کرلیں نہ اِتّصال ترا کیا خیال ہے
اے صاحبِ جمال ترا کیا خیال ہے

ہو باغ میں وصال تو ہے اس میں حرج کیا
ہے چرخ پر ہلال ترا کیا خیال ہے

توبہ کو توڑ دیں کہ نگاروں کو بخش دیں
اے عہدِ بَرشگال ترا کیا خیال ہے

میں تیرے التفات کے شایاں نہیں ہوں کیا
مجھ پہ نظر تو ڈال ترا کیا خیال ہے

میرا تو جو خیال ہے وہ ٹھیک ہے مگر
اے صاحبِ جمال ترا کیا خیال ہے

تھوڑی سی پی کے صحنِ خرابات میں عدمؔ
کر لیں نہ آنکھیں لال ترا کیا خیال ہے

○

نہ کوئی آنکھ ملتی ہے نہ کوئی جام ملتا ہے
ابھی تو مے کدہ ہم کو برائے نام ملتا ہے

مجھے اے دوست وہ تکلیف دے اپنی نگاہوں سے
کہ جس تکلیف سے تکلیف کو آرام ملتا ہے

مجھے محسوس ہوتا ہے عبادت ہوگئی میری
کوئی زہرہ جبیں جب صبح کے ہنگام ملتا ہے

شکایت کیوں کریں ہم اس پری وش کے نہ ملنے کی
برنگِ صبح ملتا ہے بہ شکلِ شام ملتا ہے

خُدا کا شکر کر تہمت اگر اس آنکھ کی آئے
بڑی مشکل سے ایسا قیمتی الزام ملتا ہے

○

گُل کدہ بھی ہے ماہتاب بھی ہے
اب کوئی وجہِ اجتناب بھی ہے

بات ہے آپ کے سمجھنے کی
دل سمندر بھی ہے حباب بھی ہے

ہائے ان انکھڑیوں کی خاموشی
جن میں اک عالمِ رباب بھی ہے

تجربے کے بغیر دنیا میں
کوئی تحقیق کامیاب بھی ہے؟

اذنِ سجدہ کرو دو عالم کو
موسمِ گل بھی ہے شباب بھی ہے

شیخ ساغر سے اتنا خوف نہ کھا
یہ پیالہ بھی ہے کتاب بھی ہے

یہ جو آوارگی ہے شبنم کی
اس میں کچھ جُرم آفتاب بھی ہے

ان کے اور میرے درمیان عدمؔ
بے حجابی بھی ہے، حجاب بھی ہے

○

شبِ جواں میں وہ یوں مست خواب ہوتے ہیں
کہ جیسے گیت کی تہ میں رباب ہوتے ہیں

نشا پہنچتا ہے دو عرش سے آگے
غزال جب کبھی مستِ شراب ہوتے ہیں

پیمبری کے جنوں میں نہ پھنس خدا کے لئے
پیمبروں پہ بڑے احتساب ہوتے ہیں

نظر تو ڈال پیالے میں زاہدِ ناداں
ہم اہلِ کفر بھی اہلِ کتاب ہوتے ہیں

ہمارے صدق کے سجدے درِ نگاراں پر
خدا کا شکر کہ کم بار یاب ہوتے ہیں

○

ہمارے ساتھ کل کا تو کوئی وعدہ نہ فرماؤ
اگر فرصت ہے کچھ سرکار کو تو آج ہی آؤ

طلوعِ حشر کی تقریب بھی منسوخ ہو جائے
معطّر کاکلوں کو آج اس مستی سے بکھراؤ

یہ فصلِ گل، یہ آدھی رات، یہ گلشن کا سنّاٹا
نقابِ رخ اُلٹ کر چودھویں کا چاند بن جاؤ

نہ دو زحمت زبان و نطق کو اس سرمدی شب میں
نظر سے حکم دو، انگڑائی سے ارشاد فرماؤ

محبت اور جوانی کی مناجاتیں بر آئیں گی
مرے آغوش میں گر کر مرا آغوش ہو جاؤ

○

اِس کا نہیں وشواس کہ دل کو جیت ہوئی یا مات ہوئی
پہلے پہل صرف آپ ملے تھے آپ سے پہلی بات ہوئی

آپ ہمیں رستہ نہ دکھائیں کتنے بھی نادان سہی
اتنا تو پہچان ہی لیں گے صبح ہوئی یا رات ہوئی

کل اتنے گمبھیر شناسا آج اتنے ناواقف سے
چھوڑیئے صاحب جانے دیجے ایسی بھی کیا بات ہوئی

آپ نے صرف اک جھوٹے سے لہجے میں تسلّی بخشی تھی
آپ کو کیا معلوم کہ کتنی رفعِ تکلیفات ہوئی

حالِ عدمؔ کچھ آج کسی نے یوں ہنس کر دریافت کیا
جیسے اک جلتے ہوئے بن میں تھوڑی سی برسات ہوئی

○

اگرچہ لوگ ہر دل کو، دلِ دیوانہ کہتے ہیں
جو گر جاتا ہے شعلے پر، اسے پروانہ کہتے ہیں

حقیقت جب حدودِ فہم میں آنے سے بالا ہو
اسے افسوں بتاتے ہیں، اسے افسانہ کہتے ہیں

وہ جس کے درمیاں رُک جائے ہر گردش زمانے کی
مجھے شک ہے اسی کو گردشِ پیمانہ کہتے ہیں

خدا غارت کرے ان کم نظر احوال بینوں کو
مری پختہ مسلمانی کو جو بُت خانہ کہتے ہیں

کبھی ملتے ہیں دو بچھڑے ہوئے میکش جو آپس میں
صراحی رقص کرتی ہے، سبُو افسانہ کہتے ہیں

ہمارا ماجرا مت پوچھ ہم وہ مست بندے ہیں
جو دورِ چرخ کو بھی گردشِ پیمانہ کہتے ہیں

○

ہر چند بدظنی سی ہے کچھ تیرے نام سے
لیتا ہوں تیرا نام بڑے احترام سے

ساقی ترے خلوص نے گرویدہ کرلیا
آیا تھا ورنہ میں بھی اِدھر ایک کام سے

گزرے گی زندگی کی سیہ رات کس طرح
دل کا چراغ گُل ہوا جاتا ہے شام سے

فرصت نہ مل سکی ہمیں آلامِ زیست سے
ورنہ بلا رہا تھا کوئی ہر مقام سے

جو لمحہ میکدے کی ہوا میں کٹے عدمؔ
وہ لمحہ قیمتی ہے حیاتِ دوام سے

○

میرے محبوب تری زلف پریشاں کیوں ہے
اتنا بے رحم مزاجِ غمِ دوراں کیوں ہے

ساقیا آ ترے دامن کا بھی درماں کردوں
موسمِ گل کو گلہ ہے کہ گریباں کیوں ہے

میرے غم خانے کی مشعل کو بجھانے والے
تیرے ایوان کی قندیل فروزاں کیوں ہے

دل تو تھا ٹوٹ ہی جانا تھا بہر حال اسے
توڑنے والے تری آنکھ پشیماں کیوں ہے

تم تو طوفان کو تفریح سمجھتے تھے عدمؔ
آج ساحل ہی پہ اندیشۂ طوفاں کیوں ہے

پھولوں کی آرزو میں بڑے زخم کھائے ہیں
لیکن چمن کے خار بھی اب تک پرائے ہیں

اس پر حرام ہیں غمِ دوراں کی تلخیاں
جس کے نصیب میں تری زلفوں کے سائے ہیں

روشن کئے ہیں دل میں تمنّاؤں کے چراغ
ویران بستیوں میں مسافر بسائے ہیں

محشر میں لے گئی تھی طبیعت کی سادگی
لیکن بڑے خلوص سے ہم لوٹ آئے ہیں

آیا ہوں یاد بعدِ فنا اُن کو اے عدمؔ
کیا جلد میرے صدق پہ ایمان لائے ہیں

ذرا معلوم کرنا این و آں میں دیر کتنی ہے
ہے مقصود امتحاں تو امتحاں میں دیر کتنی ہے

یہ کیسا ظلم ہے ایّامِ گُل ہی میں اگر پوچھیں
چمن والے کہ ایّامِ خزاں میں دیر کتنی ہے

نگاہیں تو ہم آغوشی کی حد تک مل چکی ہیں اب
اب اس کے بعد تائیدِ زباں میں دیر کتنی ہے

مغاں بن ٹھن کے نکلیں تو کریں آغاز مجلس کا
خبر تو لا صبا کارِ مغاں میں دیر کتنی ہے

اِدھر آئی سحر اور اُس طرف شب کا فسوں ٹوٹا
میری جاں اختتامِ داستاں میں دیر کتنی ہے

نہ جب تک مُتّصل ہوں دو سلیقے بات لاحاصل
مگر اس اِتّصالِ جسم و جاں میں دیر کتنی ہے

○

گرتے ہیں لوگ گرمیٔ بازار دیکھ کر
سرکار دیکھ کر میری سرکار دیکھ کر

یہ بھی ہے رہبروں کے کرم سے جلی ہوئی
ڈرتی ہے عقل راہ کو ہموار دیکھ کر

آوارگی کا شوق بھڑکتا ہے اور بھی
تیری گلی کا سایۂ دیوار دیکھ کر

کیا مستقل علاج کیا دل کے درد کا
وہ مسکرا دیئے مجھے بیمار دیکھ کر

تسکینِ دل کی ایک ہی تدبیر ہے فقط
سر پھوڑ لیجئے کوئی دیوار دیکھ کر

آتا ہے دشمنوں کی مدارات کا خیال
احباب کا طریقۂ گفتار دیکھ کر

○

وہ فرشِ سبز پہ یُوں نرم گام چلتا ہے
کہ جیسے چرخ پہ ماہِ تمام چلتا ہے

اِدھر تو گردشِ ایّام کیسے آنکلی
یہ میکدہ ہے یہاں دورِ جام چلتا ہے

ترے فراق کے لمحے امر نہیں ہوتے
اگرچہ وقت بہت تیز گام چلتا ہے

فریب دیجئے لیکن کسی سلیقے سے
دروغِ مصلحت آمیز عام چلتا ہے

نہ آنسوؤں کی کمی ہے نہ قحط آہوں کا
ترے کرم سے فقیروں کا کام چلتا ہے

پگھل ہی جائیں گے دل اے عدمؔ حسینوں کے
کہ پتھروں پہ بھی سحرِ کلام چلتا ہے

○

یہ اختلافِ آب و ہوا کا کمال ہے
کل دل بہت اداس تھا اِمشب بحال ہے

اس قیمتی دروغ پہ گہری نظر نہ ڈال
دنیا نگار خانۂ خواب و خیال ہے

تجھ سے بھی زندگی نے کیا ہے وہی سلوک
اس حادثے کا مجھ کو ذرا سا ملال ہے

تکمیلِ جور کی بھی نہ ہمت ہوئی تجھے
چھوٹی سی ایک تیرے کرم کی مثال ہے

مجھ پر حضور چشمِ عنایت نہ کیجئے
مَیں مطمئن ہوں میری طبیعت بحال ہے

بیٹھے ہیں فرشِ گُل پہ وُہ زلفیں بکھیر کر
اور سر پہ شب خرام ستاروں کا جال ہے

کہتے ہیں میکدے کی ہوا ہے سرُور بخش
کیوں اے غمِ حیات ترا کیا خیال ہے

جی چاہتا ہے دل اسی ظالم کو سونپ دوں
اور مسکرا کے پوچھوں کہو کیسا حال ہے

تُو میکدے میں آنکھ ملائے عدم کے ساتھ
اے گردشِ زمانہ تری کیا مجال ہے

فائدہ نہ کچھ ہوگا جم کے بیٹھ جانے سے
جیت کر نکل چلیئے اس قمار خانے سے

اس سے وقت پڑنے پر کچھ نکل تو آتا ہے
آدمی کی جیب اچھی شاہ کے خزانے سے

منفعت کا کیا سودا بے اساس چیزوں سے
ان کی زُلف خوشبو سی' ان کے لب فسانے سے

خواہشوں کے جُھرمٹ ہیں دل میں اس طرح برپا
بج رہے ہوں جنگل میں جیسے شادیانے سے

جس طرح کوئی نیکی اپنے اصل جوبن پر
رات پی کے یوں نکلے وہ شراب خانے سے

چھیڑتی ہے جب بدلی جلترنگ گلشن میں
رُوح جھوم جاتی ہے مالنوں کے گانے سے

تان کھینچ کر اس کو دار تک تو پہنچا دے
اس قدر نہ بدظن ہو عشق کے فسانے سے

یونہی بیٹھ کر شب بھر دیکھتے رہو ان کو
مشتعل نہ ہوجائیں وہ عدم جگانے سے

○

دل کو دل سے کام رہے گا
دو جانب آرام رہے گا

صبح کا تارا پوچھ رہا ہے
کب تک دورِ جام رہے گا

بدنامی سے کیوں ڈرتے ہو
باقی کس کا نام رہے گا

زلفِ پریشاں ہی اچھی ہے
عالم زیرِ دام رہے گا

مُفتی سے جھگڑا نہ عدم کر
اس سے اکثر کام رہے گا

○

زُلفِ برہم سنبھال کر چلیے
راستہ دیکھ بھال کر چلیے

موسمِ گل ہے اپنی بانہوں کو
میری بانہوں میں ڈال کر چلیے

میکدے میں نہ بیٹھیے تاہم
کچھ طبیعت بحال کر چلیے

کچھ نہ دیں گے تو کیا زیاں ہو گا
حرج کیا ہے سوال کر چلیے

ہے اگر قتلِ عام کی نیّت
جسم کی چھب نکال کر چلیے

کسی نازک بدن سے ٹکرا کر
کوئی کسبِ کمال کر چلیے

یا دوپٹّہ نہ لیجیے سر پر
یا دوپٹّہ سنبھال کر چلیے

یار دوزخ میں ہیں مقیم عدمؔ
خُلد سے انتقال کر چلیے

○

جہاں جہاں ان سے ہم ملے تھے حسیں مقامات بن گئے ہیں
کہیں حرم کی بنا پڑی ہے کہیں خرابات بن گئے ہیں

مرے چھلکتے ہوئے سبُو سے جو چند قطرے اُڑے تھے مے کے
وہ موسمِ گل کی التجا پر شفق کی برسات بن گئے ہیں

کبھی کبھی تو کسی حسیں کے دراز اور تابناک گیسو
کچھ اس طرح منتشر ہوئے ہیں بہار کی رات بن گئے ہیں

کچھ ایسی بے ساختہ ادا سے نقاب اٹھائی ہے آج اس نے
کئی حجابات اُٹھ گئے ہیں کئی حجابات بن گئے ہیں

اِدھر بھی بدلی اُدھر بھی بدلی اِدھر بھی سایہ اُدھر بھی سایہ
وہ کاکلیں اس طرح کھلی ہیں عجیب حالات بن گئے ہیں

جو چند لمحے عدمؔ فقیروں کے پاس بیٹھے ہیں صدقِ دل سے
وہ چند لمحوں کے فیض سے صاحبِ کرامات بن گئے ہیں

○

اس شوخ کے شباب کی باتیں نہ چھیڑیے
گرمی ہے آفتاب کی باتیں نہ چھیڑیے

رندانِ تشنہ کام کی حالت خراب ہے
اُمڈے ہوئے سحاب کی باتیں نہ چھیڑیے

ساقی کے انتخاب کی باتوں کا کیا جواب
ساقی کے انتخاب کی باتیں نہ چھیڑیے

باتیں ضرور چھیڑیے گیسو بکھیر کر
لیکن خیال و خواب کی باتیں نہ چھیڑیے

گھبرا کے زندگی کے اندھیرے نہ جاگ اٹھیں
شب ہائے ماہتاب کی باتیں نہ چھیڑیے

دنیا کی دانشوں کا اثاثہ نہ جل اُٹھے
نادانیٔ شباب کی باتیں نہ چھیڑیے

کیوں ذکرِ حادثات کو کیجے عدمؔ پسند
کیوں شاہد و شراب کی باتیں نہ چھیڑیے

○

زندگی بن سنوَر کے نکلی ہے
مانگ میں رنگ بھر کے نکلی ہے

بُوئے گل ایسے کب نکلتی تھی
رفتہ رفتہ بکھر کے نکلی ہے

صُبحِ محشر کی شکل تو دیکھو
سہمی سہمی سی ڈر کے نکلی ہے

تیرے کُوچے سے میری رُسوائی
اپنی تکمیل کر کے نکلی ہے

قیدِ ہستی میں تھی نسیم عدمؔ
آخرِ کار مر کے نکلی ہے

○

یُوں جُستجوئے یار میں آنکھوں کے بل گئے
ہم کُوئے یار سے بھی کچھ آگے نکل گئے

واقف تھے تیری چشمِ تغافل پسند سے
وہ رنگ جو بہار کے سانچے میں ڈھل گئے

اے شمع ان پتنگوں کی تجھ کو کہاں خبر
جو اپنے اشتیاق کی گرمی سے جل گئے

وہ بھی تو زندگی کے ارادوں میں تھے شریک
جو حادثات تیری مروّت سے ٹل گئے

جب بھی وہ مسکرا کے ملے ہم سے اے عدمؔ
دونوں جہان فرطِ رقابت سے جل گئے

○

غمِ جاں بخش کو آرامِ جاں کہنا ہی پڑتا ہے
کسی نامہرباں کو مہرباں کہنا ہی پڑتا ہے

بہارِ زندگی سے غم کا بھی گہرا تعلّق ہے
کہ کانٹوں کو بھی جزوِ گلستاں کہنا ہی پڑتا ہے

تغافل ایک طبعی خاصیّت ہے رسمِ اُلفت کی
تغافل کو مزاجِ دوستاں کہنا ہی پڑتا ہے

وہ لہراتے ہوئے چلتے ہیں جب صحنِ گلستاں میں
قدِ رعنا کو سروِ بوستاں کہنا ہی پڑتا ہے

جوانی ایک کیفیّت ہے قیدِ عمرِ بالا سے
جو افسردہ نہ ہوں ان کو جواں کہنا ہی پڑتا ہے

بسا اوقات دو چیزوں میں اتنا ربط ہوتا ہے
کہ اِک کو دُوسری کا ترجماں کہنا ہی پڑتا ہے

عدؔم ہم حالِ دل کہنے کی رغبت تو نہیں رکھتے
مگر جب رُک نہیں سکتے تو ہاں کہنا ہی پڑتا ہے

○

غموں کی زات بڑی بے کلی سے گزری ہے
گزر گئی ہے مگر جاں کنی سے گزری ہے

مسیحؑ و خضرؑ کی عمریں نثار ہوں اس پر
وہ زندگی کی گھڑی جو خوشی سے گزری ہے

ہم آشنا ہیں قیامت کی دل فریبی سے
ہزار بار تمھاری گلی سے گزری ہے

خزاں تو خیر خزاں ہے ہمارے گلشن سے
بہار بھی بڑی آزردگی سے گزری ہے

گزر تو خیر گئی ہے عدمؔ حیات مگر
ستم ظریف بڑی بے رُخی سے گزری ہے

○

خُوش ہوں کہ زندگی نے کوئی کام کردیا
مجھ کو سپردِ گردشِ ایّام کردیا

ساقی! سیاہ خانۂ ہستی میں دیکھنا
روشن چراغ کس نے سرِشام کردیا

پہلے مرے خلوص کو دیتے رہے فریب
آخر مرے خلوص کو بدنام کردیا

کتنی دعائیں دوں تری زُلفِ دراز کو
کتنا وسیع یہ سلسلۂ دام کردیا

وہ چشمِ مست کتنی خبردار تھی عدمؔ!
خود ہوش میں رہی ہمیں بدنام کردیا

○

بڑی حسیں روایات سے تعلّق ہے
سبُو سے، مے سے، خرابات سے تعلّق ہے

حضور! دخل کوئی بے سبب نہیں دیتا
حضور! میرا ہر اک بات سے تعلّق ہے

شکستِ توبہ کی ضد ہے تو کھول دو گیسو
شکستِ توبہ کا برسات سے تعلّق ہے

دیارِ ہوش میں ہو یا حریمِ مستی میں
ہمیں تو ان کی ملاقات سے تعلّق ہے

یہ ناز ہے کہ تری آرزو میں جیتے ہیں
یہ فخر ہے کہ تری ذات سے تعلّق ہے

تعلّقات کی غارت گری کا حال نہ پوچھ
کہ دن کے نُور کا بھی رات سے تعلّق ہے

عدمؔ حیات کی ہر قیمتی مسرّت کا
خیال سے نہیں جذبات سے تعلّق ہے

○

کہاں سے چل کے اے ساقی کہاں تک بات پہنچی ہے
تری آنکھوں سے عمرِ جاوداں تک بات پہنچی ہے

چلی ہے جب بھی دنیا کے مظالم کی شکایت سے
تو اکثر التفاتِ دوستاں تک بات پہنچی ہے

ابھی سے کس لئے رنگ اُڑ رہا ہے اُن کے چہرے کا
ابھی تو خیریت سے درمیاں تک بات پہنچی ہے

ہمیں جب بھی کوئی ناگاہ صدمہ پیش آیا ہے
تو تفریحاً نصیبِ دشمناں تک بات پہنچی ہے

مبادا بات بڑھ کر باعثِ تکلیف ہوجائے
وہیں پر ختم کر دیجے جہاں تک بات پہنچی ہے

ابھی تو اس کی آنکھوں نے لیا ہے جائزہ دل کا
ابھی تو ابتدائے داستاں تک بات پہنچی ہے

عدمؔ جھگڑا قیامت تک گیا ہے جُرمِ ہستی کا
ذرا سی بات تھی لیکن کہاں تک بات پہنچی ہے

وہ فصلِ گل، وہ لبِ جوئبار یاد کرو
وہ اختلاط، وہ قول و قرار یاد کرو

وہ انگ انگ میں طغیانیاں محبّت کی
وہ رنگ رنگ کے نقش و نگار یاد کرو

وہ کھیتوں کے جنوں خیز و شُعلہ بار بھنور
وہ بُلبلوں کی نشیلی پُکار یاد کرو

وہ ہمکلامیٔ بے اختیار و سادہ روش
وہ ہم نشینیٔ دیوانہ وار یاد کرو

وہ جان و دل کی طرح ارتباطِ گیسو و رخ
وہ دل فریبیٔ لیل و نہار یاد کرو

مرے فسانے کا جب آخری ورق آیا
کسی کے سہمے ہوئے ہاتھ سے کتاب چلی

یہاں جو سادہ سی صورت عدمؔ نظر آئی
چلی تو ٹوٹ کے آنکھوں کی آب و تاب چلی

تمھاری دِلکشی کچھ اور بھی جلّاد ہوجائے
ہمارے باب میں بھی کچھ نہ کچھ ارشاد ہوجائے!

حقیقی زندگی تو ایک کیفیت ہے باطن کی
وہ کیسی زندگی جو مدّت و میعاد ہوجائے!

ہمیں درسِ دگر کے پیچ میں مت ڈال' اے ہادی
غنیمت ہے اگر پہلا سبق ہی یاد ہوجائے!

مجھے معلوم ہے منزل نہایت دور ہے لیکن
اگر کوئی بگولا مائلِ امداد ہوجائے!

چبھے کانٹا کوئی بلبل کے سینے میں تو اے مالی
مرا ایمان ہے تازہ چمن ایجاد ہوجائے!

باہوش بنیں گے نہ قدح خوار بنیں گے
جو آپ بنا دیں' وہی سرکار بنیں گے

بہتر ہے کہ خاموش ہی بیٹھے رہیں حق گو
کھولیں گے لبوں کو تو گنہ گار بنیں گے

یہ چشمِ کم آگاہ کے مبہوت تحیّر!
اک روز یہی کاشفِ اسرار بنیں گے

یہ ارضِ خرابات کے سوئے ہوئے ذرّے
جاگے تو حرم کے در و دیوار بنیں گے

مے سے جہاں لیتی ہے خرد درسِ بصیرت
اربابِ ہوس کیا وہاں میخوار بنیں گے!

○

دل کی کشتی نظر سے چلتی ہے
زندگی کس ہنر سے چلتی ہے!

جس کو کہتے ہیں میکدے کی ہوا
وہ تو ساقی اُدھر سے چلتی ہے!

صبح بھی لوگ پی ہی لیتے ہیں
شام کی رَو سحر سے چلتی ہے!

مجھ کو زاہد کے ہاں نہ لے جاؤ
میری اس خیرہ سر سے چلتی ہے!

جُھوم اٹھتا ہے نوجواں موسم
جب کوئی نار گھر سے چلتی ہے!

○

اگرچہ تیری نظر کا ہی ترجماں ہوں میں
تری نگاہ سے لیکن ابھی نہاں ہوں میں

ابھی فسانے کی گہرائی تک نہیں پہنچا
ہنوز کشتۂ عنوانِ داستاں ہوں میں

ابھی میں اپنے ڈگر پر دھروں قدم کیسے
مجھے یہ علم ہے، ہمراہِ کارواں ہوں میں

میں ہوں ضرور کہیں تیری بزم میں لیکن
تلاش کرکے تو خود ہی بتا کہاں ہوں میں

بٹھالیا مجھے آنکھوں پہ اس کی رحمت نے
مجھے گماں تھا کہ اک جنسِ رائگاں ہوں میں

یہ کیا مقام ہے پندارِ خود شناسی کا
ہر ایک قطرہ یہ کہتا ہے بیکراں ہوں میں

○

خلوصِ کفر سے ایماں کدہ ایجاد ہوتا ہے
سنا ہے دل کے مندر میں خدا آباد ہوتا ہے

جنوں کے زیرِ سایہ زندگی پروان چڑھتی ہے
یہ وہ موسم ہے جو ہر رُت میں گل ایجاد ہوتا ہے

یہاں کیا فائدہ اے دوست جُوئے شِیر لانے کا
یہاں ہر روز خونِ محنتِ فرہاد ہوتا ہے

بسا اوقات تیری یاد بھی تسکیں نہیں دیتی
بسا اقات تو دل اس قدر ناشاد ہوتا ہے

عدمؔ وہ لب جو مے سے بھی زیادہ خوبصورت ہیں
ہمیں یہ دیکھنا ہے ان سے کیا ارشاد ہوتا ہے

○

کِھلیں تو خوب بیلیاں میں پھُول کھلتے ہیں
روش روش دلِ ویراں میں پھُول کھلتے ہیں

مشاہدے کو تو کانٹوں کی بھیک بھی نہ ملی
سنا تھا صحنِ گلستاں میں پھُول کھلتے ہیں

بہار ڈھونڈ ہی لیتی ہے راہگزر اپنی
صبا چلے تو رگِ جاں میں پھول کھلتے ہیں

وہ پی کے تھوڑی سی سو جائیں جب نزاکت سے
تمام رات شبستاں میں پھول کھلتے ہیں

دلِ فسردہ میں یوں جاگتا ہے عشق عدمؔ
کہ جیسے گوشہ زنداں میں پھول کھلتے ہیں

○

خُدا کو سجدہ نہ کر، گُل رخوں کو پیار نہ کر
مسافری میں محبت کے کاروبار نہ کر

تری نگاہ کو ہمراہ لے کے اے ساقی
میں جارہا ہوں کہیں میرا انتظار نہ کر

سوال کرکے میں خود ہی بہت پشیماں ہوں
جواب دے کے مجھے اور شرمسار نہ کر

گلوں کے دل میں اتر کر بھی دیکھ اک لمحہ
گلوں کی شکل سے اندازۂ بہار نہ کر

مرے دھڑکتے ہوئے دل میں بیٹھ جا آکر
پرے پرے سے تماشائے اضطرار نہ کر

ہجومِ حشر نہ اُڑ جائے اک دھماکے سے
عدمؔ یہاں کسی قاتل کو ہم کنار نہ کر

○

دریائے زندگی کا تھرکتا حباب ہوں
محسوس ہورہا ہے کہ پادر رکاب ہوں

گزری ہے تیری زلف کچھ اتنے قریب سے
محسوس ہورہا ہے سراپا گلاب ہوں

دیکھا ہے کس نگاہ سے تُو نے ستم ظریف
محسوس ہورہا ہے کہ غرقِ شراب ہوں

ہے میری روشنی سے منوّر گلی گلی
گلیوں میں گھومتا ہُوا وہ آفتاب ہوں

جاہل سہی، حقیر سہی، عارضی سہی
یارب ترے سوال کا پہلا جواب ہوں

○

عُنوان کوئی شے نہیں رُوداد کے بغیر
شیریں خیالِ خام ہے فرہاد کے بغیر

ماتھے پہ ڈالئے نہ شکن اِس خیال سے
جی لیں گے ہم حضُور کی اِمداد کے بغیر

دو دن کی زندگی بھی تری جان کی قسم!
اک موت ہے حلاوتِ بیداد کے بغیر

ان میں بھی تیرا لطف تھا بے واسطہ شریک
وہ دن گزر گئے، جو تری یاد کے بغیر

ارشاد کرکے میری عقیدت کا خُوں نہ کر
کیا کچھ نہیں کیا ترے ارشاد کے بغیر

○

رات اتفاق سے جو مرے مہماں تھے تم
تم کو بھی اس کا علم نہ ہوگا کہاں تھے تم

اس راہ میں تو مل نہ سکا آپ کا سراغ
شاید ورائے منزلِ کون و مکاں تھے تم

اس مرتبہ یہ دونوں رُتیں تھیں بہت حسیں
جس مرتبہ شریکِ بہار و خزاں تھے تم

اک یہ بھی دور ہے کہ ستم بھی نہیں کوئی
اک وہ بھی دور تھا کہ بڑے مہرباں تھے تم

اڑتی سی یہ ملی ہے خبر ہم کو اے عدمؔ
کل رات میکدے کی طرف پھر رواں تھے تم

○

اُمنگوں میں ہیجان آنے لگا
سمندر میں طوفان آنے لگا

کھلی آنکھ دل کی تو بے ساختہ
حسینوں پہ نادان آنے لگا

تبسم مری حالتِ زار پر
تمھیں بھی مری جان آنے لگا

یہ پہلی علامت نہ ہو عشق کی
مسلسل ترا دھیان آنے لگا

غنیمت ہے دل کی گلی میں عدمؔ
کوئی چاند مہمان آنے لگا

○

بھولے سے کبھی لے جو کوئی نام ہمارا
مرجائے خوشی سے دلِ ناکام ہمارا

لے جاتی ہے اس سمت ہمیں گردشِ دوراں
اے دوست خرابات سے کیا کام ہمارا

کرلیتے ہیں تخلیق کوئی وجہِ اذیت
بھاتا نہیں خود ہم کو بھی آرام ہمارا

اے گردشِ دوراں یہ کوئی سوچ کی رُت ہے
کمبخت ابھی دَور میں ہے جام ہمارا

اس بار تو آیا تھا ادھر قاصدِ جاں خود
سرکار کو پہنچا نہیں پیغام ہمارا

پہنچائی ہے تکلیف بہت پہلے ہی تجھ کو
اے راہ نما ہاتھ نہ اب تھام ہمارا

اس کی آنکھوں میں دیکھا ہے خرابات کا رنگ
جھوم اُٹھا ہے مرے مست خیالات کا رنگ

وہ تو گیسو تیرے اے یار بکھر جاتے ہیں
ورنہ کب پُوری طرح کھلتا ہے برسات کا رنگ

رنگ ہی رنگ تھا بکھرا ہُوا ہر سُو دل میں
ہائے اس جانِ بہاراں کی ملاقات کا رنگ

زندگی آج ملی ہے ہمیں ایسے ہنس کر
جس طرح چشمِ حسیناں میں ملاقات کا رنگ

نہ تبسّم نہ ترنّم نہ ستارا نہ سبُو
جھوم اٹھا دیکھ کے میں صورتِ حالات کا رنگ

آج کچھ اور ہی عالم ہے طبیعت کا عدمؔ
کھُل نہ جائے کہیں بنتی ہوئی برسات کا رنگ

چشمِ ساقی کے اشارات کی باتیں چھیڑو
فصلِ گُل میں تو کرامات کی باتیں چھیڑو

کچھ مداوا کرو ماحول کی تاریکی کا
کچھ درخشندہ روایات کی باتیں چھیڑو

نقل موزوں ہو تو وہ اصل میں ڈھل جاتی ہے
نہیں برسات تو برسات کی باتیں چھیڑو

دیر و کعبہ کی حدیثوں سے نہ مجروح کرو
آدمیت کے خرابات کی باتیں چھیڑو

میں تمہاری نگہِ غیظ کا منظر کھینچوں
تم میری وحشتِ جذبات کی باتیں چھیڑو

دل کشی ہے بھی کوئی خشک حقائق میں عدمؔ
میں تو کہتا ہوں حکایات کی باتیں چھیڑو

○

محبّت کو کہاں فکرِ زیان و سُود ہوتا ہے
یہ دروازہ ہمارے شہر میں مسدُود ہوتا ہے

مرے احساس کی تخلیق ہے جو کچھ بھی ہے ساقی
جسے محسوس کرتا ہوں وہی موجود ہوتا ہے

یہاں تک کھینچ لائی ہے مروّت غمگساروں کی
کہ اب جو درد اُٹھتا ہے وہ لامحدود ہوتا ہے

خرد بھی زندگی کی کہکشاں کا اک ستارہ ہے
مگر یہ وہ ستارہ ہے جو نامسعُود ہوتا ہے

عدمؔ جب بھی میں تنہائی میں اس کو یاد کرتا ہوں
مجھے محسوس ہوتا ہے کہ وہ موجود ہوتا ہے

○

خلوصِ عشق کا اقرار فرما
ہمیں بھی سرفرازِ دار فرما

ہمیں پینے کی عادت پڑ گئی ہے
نگاہِ مست سے سرشار فرما

جوانی پر بھی لازم ہے عبادت
طوافِ کوچۂ دلدار فرما

مجھے جُھک کر نہ مل محشر میں زاہد
مجھے اتنا نہ زیرِ بار فرما

عدمؔ واقف ہے تُو موسم کی ضد سے
پیالہ تھام، اور اشعار فرما

○

روح پرور نام اور القاب یاد آنے لگے
جام و مینا، مطرب و مضراب، یاد آنے لگے

عنبریں زُلفوں کے سائے، احمریں ہونٹوں کے رس
زندگی کے قدرتی اسباب یاد آنے لگے

سانحاتِ خُوشنما کی ٹیس اُٹھی جھُوم کر
واقعاتِ دلکش و شاداب یاد آنے لگے

پھر مسلسل گیسوؤں کے شب کدوں کی اوٹ میں
آفتاب آرائیوں کے خواب یاد آنے لگے

پھر رُو پہلی ظُلمتوں کے حلقۂ جاں بخش میں
اُجلے اُجلے مرمریں آداب یاد آنے لگے